دس کنواریاں

ڈاکٹر منصور الحمید

اس عنوان سے یہ نہ سمجھئے گا کہ یہ کوئی عشق ومحبت کا افسانہ یا کوئی رنگین کہانی ہے، ہاں ایک خاص طرح کا قصہ ضرور ہے۔ دنیا بھر کے ادب میں ایسے بے شمار قصے، کہانیاں یا حکایات بیان کی گئی ہیں جن کے آخر میں کوئی سبق آموز نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ شاید سب سے پرانی حکایات کی کتاب یونانی حکیم ایسوف سے منسوب ہے جس کی چھوٹی چھوٹی کہانیوں کے آخر میں کوئی نہ کوئی اخلاقی نتیجہ نکالا گیا ہے۔ ہمارے ہاں حکایاتِ رومی، حکایاتِ سعدی وغیرہ مشہور رہی ہیں۔ تصوف میں منطق الطیر ایک بڑی مشہور کتاب ہے جس میں پرندوں کی زبانی پُرحکمت باتیں بیان کی گئی ہیں۔ کہانی سے انسان کا ذہن جو تاثر قبول کرتا ہے وہ بات کو سادہ انداز سے کہنے کے مقابلے میں کہیں زیادہ موثر اور اس کا نقش بڑا دیرپا ہوتا ہے۔ اس لیے جن لوگوں کو بھی اخلاقیات سے دلچسپی ہوتی ہے وہ اس صنف کو ضرور استعمال کرتے ہیں۔ شاید اسی لیے علامہ اقبال نے بھی بلبل اور جگنو اور پہاڑ اور گلہری جیسی نظمیں لکھیں ہیں۔ لیکن دس کنواریوں والی کہانی دو وجوہ سے خاص ہے۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ معروف معنوں میں یہ کہانی نہیں بلکہ تمثیل ہے۔ تمثیل ایک صورتِ حال کی دوسری صورتِ حال سے مشابہت، ایک واقعہ کی دوسرے واقعہ سے مماثلت کو کہتے ہیں۔ اسی لیے تمثیل عام طور پر ایسے شروع ہوتی ہے کہ اس (صورتِ حال) کی مثال ایسی ہے یا یہ (صورتِ حال) اس مانند ہے جیسے کہ یہ۔۔۔ اور آگے ایک مختصر سی کہانی۔ انگریزی میں اس کے لیے جو Parable کا لفظ استعمال ہوتا ہے وہ اصلاً یونانی لفظ ہے جس کے معنی بھی موازنہ کے ہیں۔ تمثیل میں ایک واقعہ کے ہر جز کی مطابقت دوسرے کے ہر جز و سے ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر ایک صورتِ حال کی مجموعی تصویر دوسری صورتِ حال کی مجموعی تصویر سے مل رہی ہے تو تمثیل مکمل ہے۔ گویا تمثیل میں کہانی جیسا تاثر اور تصویر جیسی کشش ہے۔ لہذا ایک خاص وجہ تو یہ ہوئی کہ یہ محض کہانی نہیں بلکہ ایک تمثیل ہے اور اس کی دوسری خاص بات یہ ہے کہ اس تمثیل کو خدا کے ایک جلیل القدر رسول حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو سنایا تھا۔

حضرت عیسی علیہ السلام کو خدا نے جہاں اور کئی امتیازات سے نوازا تھا وہیں یہ بھی اُنھی کا ایک خاص وصف تھا کہ وہ تمثیلوں میں باتیں کرتے تھے۔ اگر اُن کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسالت کے ابتدائی دور میں ایسا نہیں تھا۔ مثال کے طور پر ان کا ایک مشہور خطبہ ہے جو انہوں نے پہاڑی کے اوپر بیٹھ کر دیا تھا اور اسی مناسبت سے 'پہاڑی کا واعظ' کہلاتا ہے، اس میں تمثیلی انداز نہیں ہے لیکن آخری دورِ رسالت میں یہ انداز زیادہ ہوتا گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ جب صاف اور سادہ نصیحت کی اثر پذیری کم ہوتی گئی تو ابلاغ کے تقاضے کے تحت تمثیلی انداز بڑھتا گیا۔ ان کی قوم بھی ذہنی وعقلی لحاظ سے کچھ ایسی بالغ نہ تھی، اس لیے بھی تمثیلی انداز ان کے لیے زیادہ موثر تھا۔ لیکن ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنے جانے کے بعد آئندہ پیش آنے والے جن واقعات کو بتانا چاہتے تھے اس کے لیے تمثیلی انداز ہی سب سے زیادہ موزوں تھا۔ انجیلوں میں حضرت عیسی علیہ السلام کی کل تینتالیس تمثیلیں نقل ہوئی ہیں، ان میں سے تیرہ تمثیلیں "آسمان کی بادشاہی" سے متعلق ہیں۔ پیشِ نظر تمثیل کا تعلق بھی آسمان کی بادشاہی سے ہے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

> "اُس وقت آسمان کی بادشاہی اُن دس کنواریوں کی مانند ہوگی جو اپنے چراغ لے کر دولہا سے ملاقات کرنے نکلیں۔۔ اُن میں سے پانچ بیوقوف اور پانچ عقلمند تھیں۔ جو بیوقوف تھیں انہوں نے چراغ تو لے لیے لیکن اپنے ساتھ تیل نہ لیا۔ مگر جو عقلمند تھیں انہوں نے اپنے چراغوں کے علاوہ کپوں میں تیل بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ دولہا کے آنے میں دیر ہوگئی تو سب کی سب اونگھنے اونگھتے سوگئیں۔ آدھی رات ہوئی تو شور مچ گیا کہ دولہا آ گیا ہے، اُس سے ملنے کے لیے آ جاؤ۔ اس پر سب کنواریاں جاگ اٹھیں اور اپنے اپنے چراغ جلانے لگیں۔ بیوقوف کنواریوں نے عقلمند کنواریوں سے کہا: اپنے تیل میں سے کچھ ہمیں بھی دے دو کیونکہ ہمارے چراغ بجھے جا رہے ہیں۔ عقلمند کنواریوں نے جواب دیا: نہیں، شاید یہ تیل ہمارے اور تمہارے دونوں کے لیے کافی نہ ہو۔ بہتر ہے تم دوکان پر جا کر اپنے لیے تیل خرید لو۔ جب وہ تیل خریدنے جا رہی تھیں تو دولہا آ پہنچا۔ جو کنواریاں تیار تھیں، دولہا کے ساتھ شادی کی ضیافت میں اندر چلی گئیں اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ بعد میں باقی کنواریاں بھی آ گئیں اور کہنے لگیں: اے خداوند، اے خداوند، ہمارے لیے دروازہ کھول دے، لیکن اس نے جواب دیا: سچ تو یہ ہے میں تمہیں جانتا ہی نہیں۔ لہذا جاگتے رہو، کیونکہ تمہیں نہ تو اس دن کا پتہ ہے نہ اس گھڑی کی خبر ہے۔"

حضرت عیسی علیہ السلام کی یہ تمثیل انجیل متی کے باب ۲۵ میں آئی ہے۔ انجیل کا لفظ اصلاً یونانی ہے اور اس کے معنی ہیں بشارت۔ بائیبل کے تمام آسمانی صحیفوں میں صرف یہی صحیفے ایسے ہیں جو اس نام سے موسوم ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کس چیز کی بشارت؟ قرآن کہتا ہے کہ بشارت اپنے بعد آنے والے رسول کی۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ ﷺ۔ عیسائی کہتے ہیں آسمانی بادشاہت کی بشارت۔

آسمانی بادشاہت کا مفہوم

مسلمانوں میں جن علماء کی بائیبل پر محققانہ نظر تھی اور جو عبرانی زبان سے بھی واقف تھے ان میں مولانا حمید الدین فراہی کا نام بہت نمایاں ہے۔ ان کی تحقیقات کو مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر تدبر قرآن میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ انجیلوں میں آسمانی بادشاہت کے الفاظ جنت کی تعبیر کے لیے بھی آئے ہیں اور اُس صالح نظام کی خوش خبری کے لیے بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے نتیجے زمین پر قائم ہوا۔ اسی دوسری آسمانی بادشاہت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

> "انجیلوں کا تدبر سے مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان کا خاص مضمون آسمانی بادشاہت کی بشارت ہے۔ مختلف اسلوبوں، پیرایوں اور گونا گوں تمثیلوں سے یہی

مضمون ان میں بار بار آتا ہے۔اس آسمانی بادشاہی کی جو خصوصیات بیان ہوئی ہیں، اس کے تدریجی نشو ونما کا جو تصور دیا گیا ہے، اس میں داخل ہونے والوں اور اس سے محروم رہنے والوں کے جو اوصاف مذکور ہوئے ہیں اگر ان پر اچھی طرح غور کیجیے تو یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ یہ درحقیقت اس نبوت کی بشارت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی شکل میں ظاہر ہوئی اور اس نظام صالح کی خوش خبری ہے جس کی برکتیں صحابہؓ کے ہاتھوں زمین پر پھیلیں۔"۳

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سیدنا مسیح علیہ السلام کی آسمانی بادشاہت کی بشارت اور قرآنِ مجید کا یہ کہنا کہ وہ اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی بشارت لے کر آئے تھے، اصل میں ایک ہی بات ہے بس اسلوب بیان کا فرق ہے۔ چنانچہ پیشِ نظر تمثیل کا دولہا، اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔لیکن تمثیل میں کنواریاں کون ہیں، چراغ اور تیل سے کیا مراد ہے، کیوں کہا گیا کہ جاگتے رہنا، پھر یہ تمثیل کس سیاق میں آئی ہے، عیسائی علماء اس کی کیا توجیہ کرتے ہیں، یہ سب وضاحت طلب ہے لیکن سب سے پہلے اُس زمانے میں شادی کی رسومات کا کچھ تذکرہ کہ یہ تمثیل اُسی پس منظر میں بیان ہوئی ہے۔

حضرت عیسی علیہ السلام کے زمانے کے یہودیوں میں شادی بیاہ کا رواج یہ تھا کہ لڑکے والوں کی طرف سے پیغام بھیجا جاتا، کوئی سال بھر کے لیے نسبت ٹھہرائی جاتی اور ایک رقم بھی مقرر ہوتی جو دولہا کی طرف سے لڑکی کے خاندان کو دی جاتی۔شادی والے دن دولہا اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ دلہن کے گھر جاتا اور دلہن کو ہمراہ لے کر اپنے گھر واپس آتا۔یہاں شادی کی دعوت کا اہتمام ہوتا، اس میں رشتہ دار، دوست احباب سب بلائے جاتے۔دولہا اور دلہن اپنے خیمے میں چلے جاتے اور باہر یہ ضیافت کئی راتوں بلکہ اگر دلہن کنواری ہوتو ہفتہ بھر تک چلتی رہتی تھی۔اس تمثیل میں دولہا اپنی دلہن کو ساتھ لے کر واپس اپنے گھر کی طرف آ رہا ہے۔دس کنواریاں دلہن کی وہ سہیلیاں ہیں جو شادی کی ضیافت میں مدعو کی گئی ہیں۔چونکہ ایسے موقعوں پر دولہا کو واپس آتے آتے رات ہوجایا کرتی تھی اس لیے جن کو شادی میں شریک ہونا ہوتا تھا وہ اپنے ساتھ چراغ کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

عیسائی علماء کی تفسیر

انجیلوں کے شارحین کا کہنا یہ ہے کہ یہ تمثیل مسیح کے دنیا میں دوبارہ آنے سے متعلق ہے۔گویا تمثیل کا دولہا مسیح علیہ السلام ہیں، ان کی دلہن (جس کا تمثیل میں ذکر ہی نہیں) چرچ ہے، دس کنواریوں سے مراد شادی (حضرت عیسی اور چرچ کی شادی) کی دعوت میں بلائے گئے مہمان، یعنی تمام عیسائی ہیں، چراغ سے مراد ہمارا دل، دماغ یا قالب ہے اور تیل سے مراد پاک روح (Holy-Spirit) ہے۔مطلب یہ ہوا کہ جب مسیح علیہ السلام دوبارہ آئیں گے تو ان کے مدعوئین تو سبھی عیسائی ہوں گے لیکن صرف وہی ان کے ساتھ جا پائیں گے جن میں پاک روح ہوگی (جن کی کپیوں میں تیل ہوگا) لیکن جو بغیر تیل کے خالی چراغ کے ساتھ آئیں گے، یعنی جن کا قالب پاک روح (Spirit-Holy) کے بغیر ہوگا، ان کے لیے دروازہ نہیں کھولا جائے گا اور مسیح کہہ دیں گے، "میں تو تمہیں جانتا ہی نہیں"۔۴

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ جب قیامت سے پہلے حضرت عیسی دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو دنیا سے برائی کا خاتمہ اور حق و انصاف پر مبنی حکومت قائم کرنے کے لیے ایک زبردست جنگ، آرمیگاڈون Armageddon، برپا کردیں گے۔انجیل کی کتاب مکاشفہ کے باب ۱۹ کا ایک اقتباس اس کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے جس میں ایک "سفید گھوڑے کے سوار" کا ذکر ہے جو برائی کی قوتوں کے خلاف جنگ کرے گا۔تاہم اگر اس اقتباس کو ذرا غور سے پڑھا جائے تو یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے ہاتھوں، حق و انصاف کے لیے لڑی گئی جنگ پر منطبق ہوتی ہیں۔اس میں کہا گیا ہے کہ "ایک سفید گھوڑا ہے اور اُس پر ایک سوار ہے جو سچا اور برحق کہلاتا ہے اور وہ راستی کے ساتھ اِنصاف اور لڑائی کرتا ہے۔۔اور آسمان کی فَوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اور سفید اور صاف مہین کتانی کپڑے پہنے ہُوئے اُس کے پیچھے پیچھے ہیں۔اور وہ لوہے کے عصا سے اُن (قوموں) پر حُکُومت کرے گا۔۵

اس سوار کی یہ خوبیاں کہ وہ سچا اور برحق ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات صادق وامین کا ترجمہ محسوس ہوتی ہیں۔لوہے کے عصا سے حکومت کرنے کا ذکر اسی کتاب میں ایک اور جگہ۶ اس طرح آیا ہے کہ ایک بچہ پیدا ہوگا جو لوہے کے عصا سے دنیا پر حکومت کرے گا۔ظاہر ہے یہ پیشین گوئی مسیح علیہ السلام کے دوبارہ آنے پر تو منطبق نہیں ہوسکتی کیونکہ آپ دنیا میں دوبارہ آنے کے بعد پھر دوبارہ پیدا تو نہیں ہوں گے، اس کا مصداق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک ہی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی وہ "دس ہزار قدوسیوں کا لشکر" تھا، جس کا ذکر بائیبل میں ہوا ہے۷ اور جس نے مکہ فتح کیا تھا۔ضد اور ہٹ دھرمی کی بات اور ہے، حقیقت تو یہی ہے کہ حضرت عیسی کی بعثت سے لے کر آج تک کے دو ہزار سالوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ان پیشین گوئیوں کا کوئی اور مصداق پیدا نہیں ہوا ہے۔آنے والا تو آ چکا، جنہیں جاگتے رہنے کا کہا گیا تھا وہ تعصب سے آنکھیں موند کر سو رہے ہیں۔

تمثیل میں تیل سے مراد پاک روح (SpiritHoly) کو لیا گیا ہے۔اس کی تشریح اس طرح سے کی جاتی کہ جب عیسی علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے تو انہوں نے خدا سے درخواست کی کہ اُن کے پیروکاروں کی مدد کے لیے ایک مددگار زمین پر بھیجیں جو ہمیشہ اُن کے ساتھ رہے۔اس پر خدا نے پاک روح (یعنی عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق روح القدس) کو زمین پر بھیجا جو ہر اس عیسائی کے ساتھ ہے جو مسیح کے نام کا بتسمہ پاتا ہے۔یہ عقیدہ انجیلوں کی جن آیات سے نکالا گیا ہے اُن میں سے چند یہ ہیں:

"اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔یعنی سچائی کا روح۔۸'' (یوحنا۔باب ۱۴: ۱۷-۱۶۔

"لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔۹'' (یوحنا۔باب ۱۴: ۲۶)

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا''۔۱۰

ان حوالوں سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ علیہ السلام کا فرمانا یہ تھا کہ آپ کے جانے کے بعد ہی ایک مددگار کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگی۔اس کے لیے جو "مددگار" کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ اصل میں کسی ایسے لفظ کا ترجمہ ہوگا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے کسی نمایاں پہلو سے آگاہی ہوتی ہوگی۔مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں کوئی معین لفظ فرمایا جس کو بعد کے مترجموں اور شارحوں نے اپنی تحریف کا خاص طور پر ہدف بنایا اور اپنا پورا زور لگایا ہے کہ اس کو جس حد تک اس کے صحیح مفہوم سے دور کرسکیں کردیں۔کسی نے اس کا ترجمہ 'مددگار' کیا ہے۔کسی

نے 'وکیل'، کسی نے 'شفیع'، کسی نے 'سچائی کی روح'۔ رہا یہ کہ وہ لفظ کیا ہے تو یوحنا میں جو یونانی لفظ استعمال ہوا ہے وہ (PARACLETUS) بتایا جاتا ہے، جس کے معنی بیان کرنے میں وہ موشگافیاں کی گئی ہیں جو اوپر بیان ہوئیں۔ یہ یونانی لفظ ظاہر ہے کہ کسی سریانی لفظ کا ترجمہ ہوگا اس لیے کہ انجیل کی اصل زبان سریانی تھی تو اب اس کی تحقیق کون کرے کہ وہ کیا تھا۔ جب ایک لفظ کو گم کرنے کی جدوجہد میں صدیوں سے ایک پوری قوم کی قوم لگی ہو تو اس کا سراغ لگانا کس کے امکان میں ہے! یہ تو قرآن کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس کا کچھ سراغ دیا۔ بعض مسلمان مورخین کی تحقیق یہ ہے کہ اصل سریانی لفظ 'منحمنا' ہے، جس کے معنی سریانی میں وہی ہیں جو 'محمد' اور 'احمد' کے ہیں۔"[1]

تمثیل کا سیاق اور اصل مفہوم

اس تمثیل کا سیاق یہ ہے کہ اس سے کچھ پہلے یہ ذکر ہوا ہے آپ علیہ السلام یروشلم گئے تو وہاں کی عمارتوں کو دیکھ کر فرمایا کہ یہاں پر کسی پتھر پر پتھر باقی نہیں رہے گا۔ پھر جب آپ علیہ السلام کوہِ زیتون پر بیٹھے تھے، تو آپ کے شاگرد تنہائی میں آپ کے پاس آئے اور آئندہ زمانوں میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں پوچھا۔ آپ علیہ السلام نے قحط، زلزلوں، لڑائیوں وغیرہ کی پیشین گوئی کی اور اسی سلسلے میں اپنے بعد آنے والی آسمانی بادشاہت کا ذکر کیا۔

اگر عقائد کے گورکھ دھندے سے ہٹ کر تمثیل پر غور کیا جائے تو یہ اپنے مفہوم میں بڑی حد تک واضح ہے۔ دس کنواریوں میں سے پانچ کو اس لیے عقلمند کہا گیا ہے کہ انہوں نے دولہا کی آمد کی تیاری کر رکھی تھی، انہیں معلوم تھا کہ دولہا رات دیر سے آئے گا اس لیے انہوں نے چراغوں کے ساتھ تیل بھی لیا۔ جو بےوقوف تھیں، انہوں نے لاپروائی کی اور اپنے چراغوں کے لیے تیل نہیں لیا۔ چراغ سے مراد انسان کا سینہ، دل یا فطرت ہے اور تیل سے مراد وہ روشنی ہے جو نیکیوں کی راہ پر چلنے سے انسان کے اندر نور کی طرح جگمگانے لگتی ہیں۔ گویا جن کے پاس نیکیوں کا تیل ہوگا، وہ جو اس تیل کو خریدنے کے لیے تردد کریں گے، انہی کے چراغ جلیں گے اور جن کے پاس خالی چراغ ہے اور جنہوں نے اچھائیوں کا تیل جمع کرنے کا تردد نہیں کیا، انہیں اس جب روشنی کی ضرورت ہوگی، کوئی اپنے چراغ سے انہیں تیل نہیں دے گا۔ جب دولہا آئے گا تو صرف وہی اس کے ساتھ شادی کی ضیافت میں شریک ہو سکیں گے جن کے سینے پہلے ہی سے نیکی کی راہ پر چلنے کی وجہ سے منور ہیں، جن کے دلوں میں ہدایت کا نور جگمگا رہا ہے اور جنہوں نے اپنی فطرت کو نیکیوں سے سنوار رکھا ہے۔ لیکن جنہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی، نیک راہ پر چلنے کا تردد نہیں کیا، اپنی فطرت کی حفاظت نہیں کی، وہ دولہا کے ساتھ شامل نہیں ہو سکیں گے۔

تمثیل کے آخر میں ایک جملہ ہے " لہٰذا جاگتے رہو، کیونکہ تمہیں نہ تو اس دن کا پتہ ہے نہ اس گھڑی کی خبر ہے۔" انجیل متی میں اس تمثیل سے بالکل پہلے آسمانی بادشاہت ہی کے بارے میں ایک اور تمثیل ہے، اس کے آخر میں بھی یہی جملہ ہے۔ تمثیلوں میں یہ اسلوب بہت عام ہے کہ آخر کا جملہ تمثیل کے مقصد کی طرف اشارہ کر دیتا ہے۔ یہ جملہ بھی بتا رہا ہے کہ اس ساری تمثیل کا مقصد یہ ہے کہ آنے والے کے انتظار میں جاگتے رہنا، سو نہ جانا، اور جب وہ آئے گا تو اس کے ساتھ وہی جا سکیں گے جن کے دل نیکیوں کے تیل سے روشن ہوں گے۔ اس لیے اپنے چراغوں کے لیے نیکیوں کا تیل خرید کر رکھنا۔

حضرت عیسیٰ کے بعد کے یہودیوں اور عیسائیوں میں سے وہ لوگ جو آپ کی ہدایت کے مطابق جاگتے رہے اور جنہوں نے اپنے دلوں کو اچھائیوں سے منور رکھا، انہی کو یہ توفیق ملی کہ جب اس تمثیل کے دولہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اُن عقلمند کنواریوں کی طرح جنہوں نے پہلے ہی سے تیاری کر رکھی تھی، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا اور آپ کے صحابہ بننے کا عظیم الشان مرتبہ حاصل کیا۔ تمثیل کا اطلاق یہاں پر ختم ہو جاتا ہے۔ تاہم اس کا ایک آفاقی مفہوم بھی ہے جو ماضی ہی نہیں، حال اور مستقبل کے زمانوں پر بھی حاوی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دلوں کو سچائی سے منور رکھتے ہیں، وہی خیر و شر کے امتحان میں خیر کو پہچان لیتے اور اسے اپنا لیتے ہیں۔ ایسا ہمیشہ ہوتا آیا ہے، ایسا ہی ہمیشہ ہوتا آئے گا۔ یہ وہ 'نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ' ہے جس کی توفیق خدا کی طرف سے اسی کو ملتی ہے جو پہلے ہی سے اپنے نورِ ایمان کی حفاظت کرتا ہے۔

'نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ' کے الفاظ قرآنِ مجید کی سورہ النور میں اُس تمثیل میں آئے ہیں جس پر اس سورہ کا نام ہے۔ اس میں بھی چراغ "مِصْبَاحٌ" اور تیل "زیت" کا ذکر ہے۔ تفسیر عثمانی میں سورہ النور کی ان آیات کی تفسیر میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے چراغ اور تیل کی تشریح میں لکھا ہے کہ انسانی قلب کے اندر "معرفت و ہدایت کا چراغ روشن ہے، یہ روشنی ایسے صاف و شفاف اور لطیف تیل سے حاصل ہو رہی ہے جو نہایت ہی مبارک درخت زیتون سے نکل کر آیا ہے"[2]۔ تدبر قرآن میں ہے کہ چراغ سے مراد نورِ فطرت ہے اور جب اس میں عمدہ زیتون کے درخت کا تیل، یعنی ایمان کی روشنی داخل ہوتی ہے تو وہ اس کی فطرت کے نور کے اوپر ایک اور نور کا اضافہ کر دیتی ہے، یہی 'نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ' ہے۔[3] ایمان کی یہ روشنی انہی کو نصیب ہوتی ہے جن کی فطرت صالح ہوتی ہے لیکن جو اپنے نورِ فطرت کو ضائع کر لیتے ہیں تو پھر زیتون کے عمدہ درختوں کے نکلنے والے ایمان کی روشنی بھی ان بجھے ہوئے چراغوں کو جلا نہیں سکتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے دعا مانگا کرتے تھے کہ یا اللہ میرے نور کو بڑھا دے، بلکہ مجھے نور ہی نور بنا دے۔[4] قران میں ہے قیامت والے دن نیک لوگوں کا نور اِن کے آگے اور ان کے دائیں جانب چل رہا ہوگا تو جو نور سے محروم ہوں گے وہ کہیں گے " کچھ نظرِ عنایت ہم پر ہو، آپ کی روشنی سے کچھ ہم بھی لے لیں تو انہیں جواب ملے گا کہ تم (دنیا کی طرف) پیچھے لوٹو اور روشنی وہاں تلاش کرو"۔[5] شاید اسی طرح سے جیسے بےوقوف کنواریوں نے عقلمند کنواریوں سے کہا تھا کہ ہمارے چراغ بجھ رہے ہیں، کچھ تیل ہمیں بھی دے دو، تو انہیں جواب ملا تھا کہ ہمارے لیے تو ہمارا تیل ہی کافی ہے تم اپنا تیل بازار سے خرید کر لاؤ۔

حوالہ جات:

1: سورہ الصّف آیت ٦

٢: تدبر قرآن، تفسیر سورہ توبہ، آیت ١١١ اور سورہ الصّف، آیت ٦

٣: تدبر قرآن، تفسیر سورہ الصّف، آیت ٦

٤: انجیلوں کے تقریباً سبھی شارحین نے یہی توجیہ کی ہے

۵؎ انجیل، مکاشفہ باب ۱۹ آیت ۱۶-۱۱

۶؎ انجیل، مکاشفہ باب ۱۲ آیت ۱۰-۵

۷؎ بائیبل، گنتی ۳۲:۲ نیز یہوداہ ۱:-۱۴

۸؎ یوحنا۔ باب ۱۴:۱۷-۱۶۔

۹؎ یوحنا۔ باب ۱۴:۲۶

۱۰؎ یوحنا۔ باب ۱۶:۷

۱۱؎ تدبر قرآن، تفسیر سورہ الصّف، آیت ۶

۱۲؎ تفسیر عثمانی، تفسیر آیات نور

۱۳؎ تدبر قرآن، تفسیر آیات سورہ النور آیت

۱۴؎ صحیح بخاری حدیث نمبر ۶۳۱۶، مسلم حدیث نمبر ۵۲۹، ۵۳۰

۱۵؎ قران۔ سورہ الحدید آیت ۱۳